عصمت چغتائی کی ترقی پسندی 'ضدی'
اور 'ٹیڑھی لکیر' کے حوالے سے

ڈاکٹر فرزانہ ریاض
اسسٹنٹ پروفیسر اردو
جی سی یونیورسٹی، لاہور

ISMAT CHUGHTAI'S PREGESSIVISM
THROUGH ZIDDI AND TEHRI LAKEER

Farzana Riaz, PhD
Assistant Professor of Urdu
GC University, Lahore

Abstract

Ismat Chughtai is one of Urdu's most accomplished fiction writers, epitomized the 20th century. Her novel *Tehri Lakeer* and *Ziddi* are consisdered among the best of Urdu novels. Ismat employed narrative of education as foundation to the formation of an emancipated girl in her novel *Tehri Lakeer*. Her other novel *Ziddi* is also of great standing. This article discusses progressiveness of Ismat Chughtai with refernce to her two famous said novels.

Keywords:
ٹیڑھی لکیر، ضدی، عصمت چغتائی، حقیقت پسندی، ترقی پسندی، رجعت پرستی، طبقاتی کشمکش، رومانیت، نفسیاتی الجھنیں، معاشرتی پیچیدگیاں

عصمت چغتائی کی ادبی زندگی کا آغاز ترقی پسند تحریک کے عروج کے زمانے میں ہوا۔اس دوران اوراس سے چند سال قبل اردو ادب میں کچھ اہم نتیجہ خیز تبدیلیاں واقع ہو رہی تھیں ۔رومانیت کی دھند رفتہ رفتہ چھٹتی جارہی تھی اور حقیقت نگاری کی طرف رجحان بڑھ رہا تھا۔جدید تعلیم اور مغرب کے اثر سے کچھ لوگوں میں زندگی سے نظر ملانے کی جرأت پیدا ہوئی جس کا اظہار ’’انگارے‘‘ کی شکل میں سامنے آیا۔’’انگارے‘‘ میں کچھ ایسے افسانے شامل تھے جن میں ہندوستان کے بعض کریہہ پہلوؤں کی حقیقی تصویر تھی اور کچھ ایسے بھی تھے جن پر قلم اُٹھانا غیراخلاقی اور غیرادبی تصور کیا جاتا تھا۔اشتراکی نقطۂ نظر کی ماننے والی عصمت چغتائی عمر بھر ترقی پسند تحریک سے وابستہ رہیں اور انھوں نے ترقی پسندی کی تبلیغ کو اپنا مقصدِ حیات بنا لیا تھا۔عصمت چغتائی نے متوسط طبقے اور خصوصاً اس طبقے کے مسلم گھرانے کی معاشرت اور اس کے مسائل کو بڑی جرأت اور بے باکی سے پیش کیا ہے۔انھوں نے سماج کے فرسودہ اور روایتی رسم ورواج ،اخلاقی اقدار اور بے جا جنسی پابندیوں کی کھل کر مخالفت کی۔عصمت چغتائی نے جو ناول تخلیق کیے ان میں ’ضدی‘،’ٹیڑھی لکیر‘،’معصومہ‘،’سودائی‘، ’جنگلی کبوتر‘، ’دل کی دنیا‘،’عجیب آدمی‘،’باندی‘،’ایک قطرہ خون‘،اس کے علاوہ بچوں کے لیے لکھے گئے دو ناول ’نقلی راج کمار‘ اور’تین اناڑی‘ وغیرہ شامل ہیں۔عصمت چغتائی کے ہاں بھی دیگر ترقی پسند ناول نگاروں کی طرح فرسودہ اور رجعت پسند سماجی،تہذیبی،مذہبی اور اخلاقی اقدار ونظام سے بغاوت اور نئی ترقی پسند اقدار ونظام کی حمایت ملتی ہے۔چونکہ اس عہد کے تمام ناول نگار زندگی سماج اور تہذیب وتمدن سے متعلق مسائل واقدار کو سائنس کی روشنی میں دیکھنے اور پرکھنے کے قائل ہیں ۔لہٰذا انھوں نے اپنے ناول میں توہم پرستی،ہدایت کاری،رجعت پرستی، روایت پسندی،فرقہ پرستی،مذہبی کٹرپن اور ڈھونگ جنس اور رنگ ونسل کی بنیاد پر کی جانے والی تفریق اور استحصال،چھوت چھات،اونچ نیچ جیسی تمام سماجی لعنتوں کے خلاف آواز بلند کی۔عصمت کے ناولوں میں بھی سماجی انصاف،انسان دوستی،مساوات،روشن خیالی،ترقی پسندی اور عقلیت پسندی کی وکالت ملتی ہے۔

اردو ناول کی تاریخ میں ’ضدی‘ ایک اہم مقام رکھتا ہے۔طبقاتی کشمکش پر منحصر یہ ناول ایک رومانی المیہ ہے جو ۱۹۴۱ء میں لکھا گیا۔ناول کی کہانی ایک امیر زادے پورن (ناول کا ہیرو) اور اس کی نوکرانی آشا، جو ایک اچھوت لڑکی ہے، کی ناکام محبت کے گرد گھومتی ہے۔یہ ناول جس عہد میں لکھا گیا اس وقت حقیقت نگاری کا دور دورہ تھا۔واقعات کے تانے بانے خواہ رومانی ہی کیوں نہ ہوں،اس کی پیش کش میں اس بات کا خیال رکھا جاتا تھا کہ کم از کم دو طبقوں کی کشمکش کو ضرور بیان کیا جائے۔ناول کی ابتدا میں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ عصمت بھی طبقاتی کشمکش پہ توجہ مرکوز رکھنے والی ہیں لیکن ناول جیسے جیسے آگے بڑھتا ہے یہ اندازہ ہونے لگتا ہے کہ ایسا نہیں ہے بلکہ اس میں دو طبقوں کی محبت کو زیر بحث لایا گیا ہے کہ خاندانی روایت کے سبب ان کی شادی نہیں ہو پاتی ہے اور آخر کار ان کی محبت دم توڑ دیتی ہے۔

کہانی یوں ہے کہ پورن زمیندار گھرانے کا تعلیم یافتہ نوجوان ہے جو اپنے ہی گھر کی نوکرانی آشا سے محبت کرنے لگتا ہے اور با قاعدہ شادی کر کے اسے عزت اور برابری کا درجہ دینا چاہتا ہے۔ والدین اور پورن کی یہ کشمکش، جہد و جہد، جھگڑے، بغاوتیں، طبقاتی کشمکش کسی ایک گھر کی، ایک گاؤں کی نہیں بلکہ پورے معاشرے کی کہانی ہے۔ پورن ایک جذباتی نوجوان ہے جس کا تعلق ایسے خاندان سے ہے جو اپنے اقتدار اور دولت کی آڑ لے کر غریبوں کا استحصال کرتا ہے اور محبت کو بھی دولت و امارت کے ترازو پر تولتا ہے۔ اس کے برعکس غریب طبقہ جو بہ مشکل اپنے لیے دو وقت کی روٹی حاصل کر پاتا ہے اسے ایسے خواب دیکھنے کا کوئی حق نہیں جس کی تعبیر نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ پورن جب اپنے خاندان کی نوکرانی سے پیار کرتا ہے تو اس کے والدین جو دولت کے نشے میں چور ہیں، ان کے وقار کو ٹھیس پہنچتی ہے اور انھیں خاندانی وقار مجروح ہوتا نظر آتا ہے تو وہ پورن کی اس محبت کے خلاف غم و غصے کا اظہار کرتے ہیں۔ ان کی نظر میں پورن کی محبت ایک ناقابلِ معافی جرم ہے۔ دوسری طرف آشا، جسے نوکرانی ہونے کے ناطے اپنی حیثیت کا خوب اندازہ تھا، محبت کا اظہار کرنے سے کتراتی ہے۔ وہ جانتی ہے کہ زمین آسمان تو مل سکتے ہیں لیکن یہ دنیا جو طبقاتی تفریق کی بنیادوں پہ قائم ہے، وہاں امیر و غریب کا شادی کے بندھن میں بندھنا کارِ محال ہے۔ جب پورن گھر والوں کو اپنی محبت کے خلاف پاتا ہے تو وہ اپنے باپ کی دولت اور سماج کے فرسودہ رسم و رواج کو ٹھکرانے کا ارادہ کر لیتا ہے۔ یہاں تک کہ جب چچکی (گھر کی نوکرانی) اسے آشا سے باتیں کرتے ہوئے دیکھتی ہے تو پورن نہایت بے پرواہی سے کہتا ہے:

> ''چچکی تو کیا کوئی بھی آجائے مجھے کسی کی پرواہ نہیں۔ دنیا آجائے اور دیکھ لے کہ آشا سے پریم کرتا ہوں مجھے کسی کا ڈر نہیں اچھا یہ ہمت! میں بھی دیکھوں اس سورما کو جو کسی سے نہیں ڈرتا۔
> اور ماتا جی اپنے پورے جلال سے تنی ہوئی دروازے میں کالی گھٹا کی طرح منڈلا رہی تھی۔''(۱)

یہاں پورن اس دور کے نئے تعلیم یافتہ اور جذباتی نوجوانوں کا نمائندہ ہے جو سماج کی فرسودہ روایات سے نفرت تو کرتا ہے ٹکراتا بھی ہے لیکن شکست نہیں دے پاتا اس لیے جب افسردہ ہوتا ہے تو خود سے ہی انتقام لینے لگتا ہے۔ وہ آخر تک آشا سے شادی کرنے کی ضد پر اڑا رہتا ہے۔ اس کے سامنے امیر اور غریب میں کوئی فرق نہیں ہے۔ سب برابر ہیں۔ انسانی مساوات کے سلسلے میں پورن اپنے بھائی کے ساتھ جو گفتگو کرتا ہے وہ قابلِ توجہ ہے جس میں پورن اپنے ترقی پسند خیالات کا اظہار کرتا ہوا نظر آتا ہے، کہتا ہے:

''مجھے معلوم ہے کہ میں بچہ نہیں، جب ہی تو میں پوچھتا ہوں کہ آخر وجہ کیا ہے کہ جو میں چاہوں وہ نہ کر سکوں''۔

''ٹھیک۔ لیکن تمھیں کس نے ایسے حقوق دیے جن کی رو سے تمھیں بزرگوں کی دل شکنی کا ٹھیکہ مل گیا؟''

''سماج۔ واہ واہ۔ وہی پرانی سڑی بحث۔ پتاجی اتنے اندھیرے خیالات کے نہیں۔''

''یہی تو تمھاری غلطی ہے ۔یعنی غلط فہمی ہے پتا جی کتنے ہی روشن خیال ہوں وہ یہ بات کبھی گوارہ نہ کریں گے کہ ان کے خاندان میں اس قسم کی واہیات بات ہو۔
اور پھر یہ سوچو ماتا جی ۔میں ۔یہ بچے تمھارے معصوم بھتیجے آخر انھوں نے کیا قصور کیا ہے جو یہ تمھاری خواہشات پر قربان ہو جائیں۔''

''ارے ۔یعنی ان کے قربان ہونے کا سوال کہاں سے آن کودا ۔واہ ۔خوب۔''

''کیوں نہیں ۔ان کی سوسائٹی میں کیا حیثیت ہو جائے گی ۔کہ بھئی چچا نے نوکرانی سے بیاہ کر لیا۔ شیلا کو کون شریف خاندان بیاہ لے گا ۔اور نرمل کو کون بیٹی دے گا جب وہ اُن کے چچا کے کارنامے سُنیں گے؟''

لعنت ہے ایسے لوگوں پر جو شیلا میں یہ عیب نکالیں کہ اس کے چچا نے غریب لڑکی سے شادی کر لی ۔اس سے بہتر ہے کہ ایسے لوگوں میں جانے کے بجائے شیلا سدا کنواری رہے۔''

''ہاں تمھارے لیے یہ کہہ دینا آسان ہے ۔تم اپنی خوشی پوری کر لو، خواہ سارا خاندان مٹ جائے''۔

''نہیں تو ۔میرا مطلب ہے کہ ہم شیلا کی شادی ایسے واہیات میں لوگوں میں کیوں کریں جو اس قدر اندھیرے خیال کے ہوں۔''(۲)

مذکورہ بالا اقتباس سے یہ بخوبی پتہ چلتا ہے کہ پورن نئی نسل کا نوجوان ہے جو ہر بوسیدہ رسم ورواج کے خلاف ہے وہ سماج کے برابر کے حقوق کا قائل ہے ۔باوجود اس کے کہ اس کی پرورش ایک اعلیٰ خاندان میں ہوئی جہاں غریب کو حقیر سمجھا جاتا تھا وہ ایک روشن خیال اور پڑھا لکھا نوجوان ہے جو طبقاتی اونچ نیچ کے معیار کو نہیں مانتا اور محبت کے جذبے کو تمام روایات اور معاشرتی پابندیوں سے افضل جانتا ہے ۔وہ سماج کے اس فرسودہ نظام کے خلاف جنگ کا اعلان کر کے اپنے گھر والوں کے سامنے علی الاعلان اپنی محبت کا اظہار ایک غریب نوکرانی کے ساتھ کرتا ہے ۔لیکن پورن کی زندگی کا المیہ اس وقت سامنے آتا ہے جب آشا کو ایک دن غائب کر دیا جاتا ہے اور پورن کو یقین دلانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ وہ مر چکی ہے ۔اس وقت یہ جذباتی نوجوان غم وغصے میں پاگل سا ہو جاتا ہے ۔اسے اپنا بھائی ہی نہیں بلکہ پورا خاندان دشمن نظر آتا ہے ۔آشا کو نہ پانے کی صورت میں پورن زبردست ذہنی تناؤ کا شکار ہو جاتا ہے ۔اس کی شوخیاں اور شرارتیں ختم ہو کر رہ جاتی ہیں اور وہ افسردگی اور مایوسی کی تصویر بن جاتا ہے ۔بلکہ غصے کے حالت میں سارا الزام اپنے بھائی اور بھابی پر رکھ دیتا ہے:

''تمھارا بس! بھیا تمہارا تو خوب بس تھا جبھی تو تم نے یوں میرے ہاتھ پیر کاٹ دیے ۔بھیا تُم میرے ہمیشہ سے دشمن ہو ۔میں مر جاؤں تو خوش ہونا ۔ساری جائیداد کے مالک تو ہو گے ۔پورن بس کرو ایسے بول نہ نکالو جن سے بعد کو پچھتانا پڑے۔''(۳)

ایک اور جگہ یوں کہتا ہے:

''مر چکا ۔آپ کا پورن تو کبھی کا مر چکا ۔اور اب اس مُردہ پورن کی باری ہے ۔بھیا من چاہے جو کچھ کہہ لو۔روح تو کبھی کی مر چکی ۔یہ مردہ مٹی حاضر ہے۔یہ بھی اگر کسی کام آسکے تو موجود ہے۔مگر یاد رہے بھیا یہ جسم بالکل کھوکھلا ہے ۔سام کو بھی دم نہیں ۔پورن انتقاماً مُسکرایا۔''(۴)

غرض اس حادثے کے بعد پورن کی شوخی ختم ہو جاتی ہے وہ اداس اور مضمحل رہنے لگتا ہے ۔کچھ مدت کے بعد بھابی کی ضد،ماں کی ممتا اور باپ کی ضعیفی کو دیکھتے ہوئے پورن شادی کے لیے حامی بھرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔لیکن شادی کے منڈپ میں آشا کو دیکھ کر وہ دوبارہ باغیانہ جذبات سے مغلوب ہو جاتا ہے اور اس کو لے کر کہیں دور بھاگنا چاہتا ہے جہاں ایسے رسم و رواج نہ ہوں،ایسی کوئی پابندی نہ ہو۔لیکن آشا کو ایک بار پھر غائب کر دیا جاتا ہے جس کے بعد پورن بالکل ہی ٹوٹ جاتا ہے ۔لمحہ بھر کی خوشی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اسے اندھیروں میں غرق کر دیتی ہے۔آخر کار ایک رئیس اور ہم پلہ گھرانے کی لڑکی شانتا سے اُس کی شادی کر دی جاتی ہے جو ایک دکھاوا ثابت ہوتا ہے ۔پورن کبھی حق شوہریت ادا نہیں کر پاتا جس کی وجہ سے پورن کی بیوی شانتا کسی دوسرے مرد کی طرف مائل ہو جاتی ہے ۔صرف یہی نہیں وہ اس دوسرے مرد یعنی مہیش کے ساتھ جنسی تعلق قائم کر لیتی ہے اور آخر میں تنگ آ کر گھر چھوڑ دینے کا فیصلہ کرتی ہے ۔پھر وہ مہیش کے ساتھ بھاگ جاتی ہے عصمت لکھتی ہیں:

''شانتا کے سامنے بھی دو راستے تھے ۔ایک تو وہی راستہ جس پر وہ چل رہی تھی ۔پتی ورتا ہندوستانی بیوی بن کر جگ کی لاڈلی، نیک اور پارسا جہاں وہ مٹی کے ڈھیلے کی طرح لڑھک رہی تھی ۔اس سے بھی بدتر، مٹی کے ڈھیلے سے کبھی کوئی گھاس پھوس کا تنکا تو اُگ آتا ہے وہ بھی کبھی کسی مصرف میں آجاتا ہے مگر وہ تو اور ہی کچھ تھی ۔اس ٹھنڈی چتا میں سال سے اوپر اسے جھلستے ہوگیا ۔کاش پورن کی طرح اُسے بھی روگ لگ جاتا ۔مگر روگ تو اُسے لگا ہوا تھا ۔پر یہ کیسا روگ تھا جو اُس کے من کو ہر وقت گدگداتا رہتا اور روز بروز اس کا جسم زیادہ لچکدار اور آنکھیں زیادہ دہاتونی ہوتی جا رہی تھیں ۔کیونکہ مہیش کے مضبوط جسم کو دیکھ کر اُسے ہلکے ہلکے زلزلے جیسے ہلکورے محسوس ہونے لگتے تھے !کیوں جی کہتا تھا کہ وہ گوشت پوست کا بھاری بھرکم انجن اس کی ہستی کو پیس رہا ہے ۔لیکن ایسے نہیں پیس رہا ہے کہ روح پامال ہو جائے بلکہ جیسے صندل کو سخت پتھر سے گھس دو تو وہ مہک اُٹھتا ہے۔''(۵)

مہیش میں اپنی بیوی شانتا کی دلچسپی دیکھنے کے بعد بھی پورن کو کوئی فرق نہیں پڑتا ۔وہ سب کچھ دیکھ کر بھی مطمئن رہتا ہے۔جس عزت کی دھجیاں اڑنے سے گھر والے ڈرتے تھے،جنھوں نے اس کی محبت کو اس

سے دور کیا،اسی گھر میں پورن اپنی بیوی کے ناجائز رشتے کو پروان چڑھنے دیتا ہے۔گویا گھر والوں سے ایک طرح کا انتقام لیتا ہے۔آخر کار اس کی بیوی ایک دن معاشرتی اقدار اور حدبندیوں سے بغاوت کر کے ایک غیر مرد کے ساتھ بھاگ جاتی ہے۔گویا اصل میں پورن کی طرف سے یہ معاشرے کے منہ پر طمانچہ تھا۔وہ خود اپنی محبت پانے میں ناکام رہا لیکن کسی دوسرے کو محبت کے حصول کی جدوجہد میں پوری مدد کرتا ہے۔اس طرح وہ معاشرے سے انتقام لیتا ہوا نظر آتا ہے۔ناول کے اختتام میں مصنفہ پورن اور آشا کی خودکشی کے ذریعہ یہ بتانا چاہتی ہیں کہ عشق جب انتہا کو پہنچتا ہے تو وہ ہر سماجی اصول وبندش کو توڑ دیتا ہے۔بیشتر ناقدین کا یہ خیال ہے کہ اگر چہ پورن نئے دور کے تعلیم یافتہ اور روشن خیال نوجوان کے طور پر سامنے آتا ہے لیکن آشا کو پانے کی ناکامی میں اس کی بغاوت ایک انفعالی کیفیت اختیار کر لیتی ہے اور وہ بغاوت کی آگ میں پورے سماج کو جھونک دینے کے بجائے خود کو جلا لیتا ہے یعنی پورن ایک ایسا مجبور اور بے بس انسان ہے جو سماج کے خلاف بغاوت کے بجائے اپنی ذات سے ہی انتقام لیتا ہے۔دراصل عصمت چغتائی سماج ،طبقہ،روایت،مذہب وغیرہ کے ہاتھوں ترقی پسندی کو ناکام دیکھتی ہیں۔آخر کب تک خاندانی رویوں کی خاطر نوجوان اپنی بلی چڑھاتے رہیں گے۔آشا اور پورن کی موت سے ایک خاموشی،ایک سناٹا چھا جاتا ہے اور تب دقیانوسی خیالات والے روایتی افراد نظروں کے سامنے آجاتے ہیں جو ترقی کے دشمن ہیں۔ان تمام سوالوں کے ساتھ یہ ناول معاشرے کی سچی عکاسی کرتا ہوا ختم ہو جاتا ہے۔اصل میں عصمت چغتائی اس ناول کے ذریعہ بتانا چاہتی تھیں کہ محبت ایک عالم گیر آفاقی جذبہ ہے جس میں اونچ نیچ،ذات پات کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔پروفیسر احتشام حسین ''ضدی'' کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''ضدی کا مجموعی اثر وہی پڑتا ہے جو اصلاحی کہانیوں کا ہونا چاہیے لیکن جگہ جگہ پر پورن کی غریب دیہاتی محبوبہ کا احساس غربت وکمتری اس بات کے سمجھنے میں مدد دیتا ہے کہ کس طرح خارجی حقیقتیں داخلی تصورات پر اثر انداز ہوتی ہیں اور کس طرح نئے نئے مسائل قدیم زندگی کے ڈھانچے پر پورے نہیں اترتے۔''(٦)

مختصر طور پر عصمت چغتائی نے 'ضدی'' میں حقیقت نگاری کو رومانیت کے پیرایے میں ڈھال کر ہمارے سامنے پیش کیا ہے جو ترقی پسند ادیبوں کی خاصیت ہے اور ایک اہم سماجی مسئلے کو ترقی پسندانہ انداز میں پیش کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے جس میں وہ کسی حد تک کامیاب بھی ہوئی ہیں کیونکہ ناول کا مطالعہ قاری کے ذہن پر طبقاتی کشمکش کا ایک المناک احساس نقش کر دیتا ہے۔یہ ناول اپنی خوبیوں اور خامیوں کے ساتھ اپنے موضوعی حدود میں منفرد حیثیت رکھتا ہے۔

''ٹیڑھی لکیر'' عصمت چغتائی کا دوسرا ناول ہے جو ۱۹۴۵ء میں منظر عام پر آیا۔یہ عصمت کا ہی نہیں

بلکہ ترقی پسندی کی راہ میں بھی ایک شاہکار تصور کیا جاتا ہے۔ناول میں مصنفہ نے عمیق مشاہدات وتجربات کی بنیاد پر متوسط طبقے کی زندگی کی معاشرتی پیچیدگیوں اور نفسیاتی الجھنوں کو جس انداز سے پیش کیا ہے وہ اُن کی فنکارانہ بصیرت کا ثبوت ہے۔مصنفہ نے سماج میں پھیلی ہوئی غلاظت ،غلط رسم رواج ،متوسط طبقے کی بے کسی، غربت ،افلاس ،جنسی بے راہ روی اور اس کے تباہ کن نتائج کو انتہائی بے باکی اور چونکا دینے والی جرات کے ساتھ ناول میں پیش کیا ہے۔ناول کا انتساب ہی ترقی پسندی کا حامل ہے کہ ''ان یتیم بچوں کے نام جن کے والدین بقید حیات ہیں؟'' یعنی والدین بچے تو پیدا کر لیتے ہیں لیکن ان کی پرورش کرنے میں کوتاہیوں سے کام لیا جاتا ہے اور اسی کوتاہی کا شکار ناول کی ہیروئن ''شمن'' (شمشاد) نظر آتی ہے۔جس کو اپنے ماں باپ کے ہوتے ہوئے بھی یتیمی کے داغ محسوس ہوئے۔جس کے پیدا ہونے پر خوشی کے بدلے غم کا اظہار کیا جاتا ہے۔ ماں باپ کی شفقت سے وہ ابتدا ہی سے محروم رہتی ہے نہ اس کی تعلیم تربیت اور نہ ہی اس کی پرورش کے لیے ان کے پاس وقت ہوتا ہے کیونکہ کثرت اولاد میں اس کی اہمیت نہیں تھی جس سے بے توجہی کے سبب اس کی تعلیم کا سلسلہ دیر سے شروع ہوتا ہے دسویں نمبر کی اس اولاد ''شمن'' کا پیدا ہونا گھر میں صف ماتم کا باعث بن جاتا ہیں۔عصمت ناول کے آغاز میں یوں لکھتی ہے:

''وہ پیدا ہی بہت بے موقع ہوئی۔۔۔
نو بچوں کے بعد ایک کا اضافہ، جیسے گھڑی کی سوئی ایک دم آگے بڑھ گئی۔
''خدا غارت کرے اس منی سی بہن کو۔اماں کی کوکھ کیوں نہیں بند ہو جاتی۔حد ہو گئی تھی!
بہن بھائی اور پھر بہن بھائی۔بس معلوم ہوتا تھا 'بھک منگوں نے گھر دیکھ لیا ہے۔
اڈے چلے آتے ہیں۔ویسے ہی کیا کم موجود تھے جو اور پے در پے آرہے تھے۔''(۷)

دراصل ٹیڑھی لکیر میں عصمت نے اس حقیقت کو پیش کرنے کی کوشش کی ہے کہ کس طرح انسان اپنے ماحول، گردوپیش اور سماجی و معاشرتی اقدار وحالات سے متاثر ہوتا ہے اور یہ ساری چیزیں اس کی نفسیات، ذہنیت اور شخصیت کی تعمیر میں کتنا اہم رول ادا کرتی ہیں۔زیر بحث ناول میں مصنفہ نے فرائڈ اور مارکس کے نظریوں سے بھرپور استفادہ کیا ہے۔ناول میں عصمت نے شمن کے کردار کی تشکیل وتعمیر میں ماحول معاشرے اور گردوپیش سے یہ حقیقت واضح کی ہے کہ اس کردار میں جو کجروی پیدا ہوئی ہے اس میں اس کے ماحول، گھر، معاشرے اور پرورش وپرداخت کے انداز اور اول تا آخر اس کے گردوپیش کے حالات کا بڑا حصہ رہا ہے۔سیّد وقار عظیم اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

''ماحول کس طرح آہستہ فرد کی زندگی میں انقلاب پیدا کرتا ہے، ٹیڑھی لکیر میں اسے عملی حیثیت سے بے نقاب کر کے دکھایا گیا ہے۔اور پڑھنے والا قدم قدم پر ماحول کو فرد کی زندگی

پراثر انداز ہوتے اور اپنی آنکھوں سے بدلتے دیکھتا ہے۔شخصیت کی تشکیل وتعمیر کا یہ عمل اس کے لیے محض سنی سنائی بات ہونے کے بجائے خود اس کا ذاتی مشاہدہ بن جاتا ہے۔عصمت نے اپنے ذاتی مشاہدات کو گہرے فکر اور وسیع تخیل میں سمو کر مکمل طور پر قاری کے مشاہدات بنا دینے کا کام جس طرح ٹیڑھی لکیر میں انجام دیا ہے اب تک کوئی عورت ناول نگار انجام نہیں دے سکی تھی۔"(۸)

اگر چہ پورے ناول میں عصمت چغتائی نے متوسط طبقے کی گھریلو اور معاشرتی زندگی کے متعدد چھوٹے چھوٹے مسائل اور جزئیات کو پیش کیا ہے لیکن اس میں ان کا مخصوص نقطہ نظر بھی بالکل واضح ہو کر سامنے آتا ہے جہاں انھوں نے ایک طرف سماج اور معاشرے کی رجعت پسندی، روایت پرستی فرسودہ رسم ورواج تعصب وتنگ نظری اور ان سے پیدا شدہ در پردہ جنسی غلاظت، بد اخلاقی، بے راہ روی اور گھٹن وغیرہ کو منظر عام پر لاکر اس کی اصلاح کے لیے اکساتی ہیں وہیں انھوں نے جا بجا اس عہد کے سیاسی سماجی اور معاشی بدحالی اور انتشار کی جانب بھی واضح اشارے کیے ہیں۔ٹیڑھی لکیر میں "شمن" جس تنگنائے میں زندگی بسر کرتی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں اپنی راہ خود متعین کرنے والی مسلمان لڑکی کس طرح داخلی اور خارجی مزاحمتوں کا مقابلہ کرتی ہے۔اس کے مزاج کے ٹیڑھے پن میں ماضی اور حال، فرد اور سماج، خواب اور حقیقت اور تعمیر وتخریب کی جو آویزش عصمت نے دکھائی ہے وہ ان کی فنکارانہ بلندی کا ثبوت ہے اس لیے عصمت شمن کے بارے میں ناول کے دیباچہ میں یوں لکھتی ہے:

"شمن کی کہانی کسی ایک لڑکی کی کہانی نہیں ہے، یہ ہزاروں لڑکیوں کی کہانی ہے اس دور کی لڑکیوں کی کہانی ہے جب وہ پابندیوں اور آزادی کے بیچ ایک خلا میں لٹک رہی ہیں اور میں نے ایمان داری سے ان کی تصویر ان صفحات میں کھینچ دی ہے تاکہ آنے والی لڑکیاں اس سے ملاقات کر سکیں اور سمجھ سکیں کہ ایک لکیر کیوں ٹیڑھی ہوتی ہے اور کیوں سیدھی ہو جاتی ہے۔"(۹)

اس ناول میں عصمت نے حقیقت نگاری کے فن کو بڑی مہارت سے برتا ہے ساتھ ہی ساتھ طنز کی زہرنا کی اس میں مزید تلخی پیدا کر دیتی ہے۔ناول میں بے شمار جگہوں پر عصمت نے تلخ حقائق کو بڑی بے باکی سے بیان کیا ہے جیسے:

"شمن کو محسوس ہوا کہ یہ آزادی ہی تو قید ہے ٹھیک کہتے ہیں یہ بوسیدہ لوگ کہ عورت کو پردہ میں رہنا چاہئے۔سچ تو یہ ہے کتنے مزے سے پردہ میں آنکھ مچولی کھیلی جا سکتی ہے۔جی چاہا جس سے چھپ گئے اور جی چاہا جسے دکھا دیا۔بدصورت تو خاص فائدہ میں رہتی ہوں گی جسے ہلکی سی جھلک دکھا دی وہی حسین سمجھ بیٹھا۔یہ تھوڑی کہ مقابل بیٹھے ہیں اور ہر عیب سامنے رکھا دل دکھا رہا ہے۔جب ہی تو پچھلے زمانے کا ادب اٹھا کر دیکھو

ہرعورت حسن مجسم رکھی ہے۔عورت حسینہ تھی یا دوشیزہ اوراب اسے استانی، ڈاکٹرنی، نرس، فقیرنی بھنگن یا لڑکی کہا جاتا ہے۔یہ پردہ سے نکل کر حسینہ سے صرف عورت کیوں رہ گئی؟ وہ اس کے سارے قتل وغارت کے حربے کیا ہوئے؟ بات یہ ہے کہ پردہ سے نکل آنے پر غازہ، سرمہ، مسی کا راز کھل گیا۔سب کو معلوم ہو گیا کہ ابرو نوچ کر کمانیں بنائی گئی ہیں اور آنکھوں سے بجلیاں مسکارہ کی مدد گرائی جارہی ہیں۔گو ویسے ہندوستان میں جتنی حسن کی قلت پہلے تھی اب بھی ہے مگر یہ پردہ ہٹ جانے سے تو نظر کا پردہ ہی اٹھ گیا۔عورت بڑے نقصان میں رہی۔''(۱۰)

ٹیڑھی لکیر ایک لڑکی کی کہانی نہیں ہے بلکہ ہندوستان میں نہ جانے ایسے کتنے بچے ہیں جن کا نمبر بہن بھائیوں کی بھیڑ میں اتنا آگے بڑھ جاتا ہے کہ خود والدین کو یاد نہیں رہتا کہ یہ بچہ کس سال پیدا ہوا اس کی پیدائش کی تاریخ کیا ہے۔والدین اپنی جنسی خواہشات کی تسکین میں یہ فراموش کر دیتے ہیں کہ ان کے اس عمل سے ایک معصوم بچے /بچی کی زندگی اندھیرے میں بھٹک جائے گی۔یہ اندھیرے اسے نگل لیں گے۔ہر بچہ عصمت چغتائی نہیں ہوتا کہ ظلمتوں کے سایہ میں روشنی تلاش کر لے گا۔شمن کے ساتھ بھی یہی ہوا۔اولاد کی کثرت کس طرح سماجی زندگی میں زہر گھول دیتی ہے شمن کا کردار اس کی جاگتی تصویر ہے۔اس لیے عصمت شمن کی زبانی یہ کہنے پر مجبور ہوئیں:

> ''اماں کو تو دنیا کا بس ایک کام آتا تھا اور وہ بچے پیدا کرنا۔اس کے آگے نہ انھیں کچھ معلوم اور نہ ہی کسی نے بتانے کی ضرورت محسوس کی۔ابا جان کو بچوں سے زیادہ بیوی کی ضرورت لاحق۔''(۱۱)

اس لیے شمن ''انا'' کے جسم میں ماں کی ممتا ڈھونڈتی ہے اور بہت حد تک پاتی بھی ہے لیکن یہ نعمت چند دن ہی رہتی ہیں اور اسے اپنے پیٹ کی آگ شیشے کی بوتل سے بجھانی پڑتی ہے وہ روتی ہے تڑپتی ہے لیکن بہت جلد منجھو بی (بہن) کی محبت اسے سب کچھ بھولنے پر مجبور کر دیتی ہے۔منجھو کے پیار میں ماں کی ممتا تو نہیں ملتی لیکن ڈوبتے کو تنکے کا سہارا بھی بہت ہوتا ہے۔لیکن یہ سہارا بھی زیادہ دنوں تک ساتھ نہ دے سکا۔منجھو سسرال چلی جاتی ہے اور شمن کے اندر محبت سے محرومی اور تنہائی کا احساس شدید ہو جاتا ہے۔اس کی نفسیات میں تخریبی عناصر سر ابھارنے لگتے ہیں۔اس کا دل چاہتا ہے کہ وہ کسی کو مارے پیٹے، چیزوں کو توڑے پھوڑے۔اس درمیان شمن کی بڑی بہن، بیوہ ہو کر اپنی ایک بچی نوری کے ساتھ میکے آجاتی ہے وہ نوری کی تربیت کے لیے شمن کو استعمال کرتی ہے۔وہ ہر بری بات جس سے اپنے بچی کو دور رکھنا چاہتی ہے اسے شمن کے حوالے سے سمجھاتی ہے۔عصمت لکھتی ہیں:

> ''کہنا نہیں مانو گی تو شمن کی طرح پھٹکاریں گے سب۔''
>
> ''نہاؤ گی نہیں تو شمن کی طرح جوئیں پڑ جائیں گی۔''

''پڑھو نہیں تو شمن کی طرح جاہل رہ جاؤ گی۔''

''پھر تم نے شمن کی طرح ضد کی۔''

''شمن کی طرح جھوٹ بولنا خوب آتا ہے''۔۔۔اور

''یہ شمن ہی تمھیں بگاڑتی ہے، خبردار اس کے ساتھ کھیلیں۔''(۱۲)

یہاں سے شمن کے ذہن میں اپنی ہتک کا احساس جنم لیتا ہے اور اسے بڑی آپا، نوری اور پورے گھر سے شدید قسم کی نفرت ہو جاتی ہے۔ یہ تمام احساسات مل کر اس کے اندر ضد اور خودداری کا مادہ پیدا کرتے ہیں۔ وہ دوسروں سے محبت اور یگانگت نہ پا کر اپنے آپ پر یقین کرنا سیکھتی ہے۔ وہ انجام سے بے خبر ہو کر ہر وہ کام کرتی ہے جو اس کا دل چاہتا ہے۔ اسکول میں داخل ہوتے ہی ایسی لڑکیوں کے ساتھ رہنا پڑتا ہے جو ہم جنسیت کا شکار ہیں۔ عنوانِ شباب کی ابتدائی منزلوں میں شمن جنس مخالف سے نفرت کرتی ہے۔ مگر آہستہ آہستہ اسے یہ احساس ہوتا ہے کہ قدرت نے جنس مخالف سے محبت انسانی سرشت میں رکھی ہے۔ لہٰذا وہ بھی اس طرف راغب ہوتی ہے۔ اپنی اسکول کی استانی مس چرن پر عاشق ہو جاتی ہے اور اس کے کمرے میں رہنے والی رسول فاطمہ سے بھی سابقہ پڑتا ہے۔ وہ گرتی اور سنبھلتی ہے اس کی زندگی میں اعجاز، رشید، نریندر رائے صاحب اور افتخار لحاتی طور پر داخل ہوتے ہیں۔ دراصل شمن کی اس ہاسٹل زندگی میں مصنفہ نے ایک مکروہ عادت ہم جنسی کے مسئلہ کو اُجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہ لڑکیوں کے بارے میں یوں لکھتی ہیں:

''پہلے پہل نوری نے بلقیس پر مرنے کی کوشش کی اور جلیس نے شمن پر۔ مگر بلقیس نے نہایت جنگلی پن سے دونوں کو کھسیانا کر دیا اور پھر سوچ بچار کرنے کے بعد نویں جماعت کی ایک لڑکی کو دونوں نے چاہنا شروع کیا۔''(۱۳)

عصمت چغتائی نے زنانہ مدرسے اقامتی زندگی کی تصویر پیش کرتے ہوئے اس خاص پہلو کو جس انداز سے ابھارا ہے اس پر اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ وہاں کا پورا ماحول اس غیر فطری مرض کا شکار ہے ایک بھی ایسا کردار نہیں ملتا جو اس نفسیاتی کج روی سے پاک ہو اس طرح وہاں ایک گھناؤنی تصویر سامنے آتی ہے اس سے عصمت کا مقصد اسکول کی اقامتی زندگی کو پیش کرنا نہیں تھا بلکہ وہ متوسط طبقے کی لڑکیوں کی جنسی زندگی پیش کرنا چاہتی تھیں۔ انھوں نے جو کچھ بھی یہاں پیش کیا ہے وہ کسی کے مطالعہ کا نتیجہ یا دوسروں کے تجربات کی عکاسی نہیں ہے بلکہ اپنے گھر اور سوسائٹی میں بہت قریب سے دیکھا اور برتا ہوا ہے۔ زندگی کی یہ حقیقتیں چاہے کتنی ہی تلخ یا کریہہ ہوں لیکن ان کی صداقت سے انکار کرنا مشکل ہے۔ ناول کا وہ حصہ خاص اہمیت کا حامل ہے جس میں شمن کا کالج میں داخلہ لینا اور مختلف سیاسی نظریات رکھنے والے کرداروں سے ملاقات کرنا اور ترقی پسند گروپ کی سرگرم کارکن ایلیا سے دوستی کرنا ایک اہم پہلو ہے۔ ایلیا کا مزاج باغیانہ ہے لیکن عشق کے

معاملے میں ہار کر یونین کے صدر افتخار اور سیتل سے عشق کرتی ہے نتیجے میں سیتل کے بچے کی ماں بن جاتی ہے۔ سیتل اس کی طرف کوئی توجہ نہیں دیتا لہٰذا ایلیا اسے ٹھکرا کر اپنے وطن واپس چلی جاتی ہے۔ ترقی پسند تحریک میں شمولیت اور ساتھ ہی ساتھ طلبا کی سیاسی سرگرمیاں اور سیاسی موضوعات پر بحث مباحثے اور پھر اشتراکیت کی جانب ان کا جھکاؤ حکومت کا ظلم واستبداد اور شمن کی انگریزوں سے نفرت غلامی کا کربناک احساس وغیرہ ان کے سیاسی اور سماجی شعور اور نظریات کی غماز ہیں۔ جگہ جگہ سماجی تبدیلی کی خواہش اور انقلاب پسندی کا رجحان ابھر کر سامنے آگیا ہے۔ عصمت نے اس زمانے کے سیاسی رجحانات اور نوجوانوں میں ترقی پسند عناصر کیسے سرایت کر رہے تھے اس کی بہترین عکاسی کی ہے۔ عصمت لکھتی ہیں:

> ''انور کی شاعری بالکل انوکھی تھی، وہ پرانی روش سے ہٹ کر نئے راستوں پر گامزن تھی۔ اس کی شاعری پیش گوئی کرتی تھی کہ انقلاب آئے گا۔ جب یہ ساری پابندیاں ٹوٹ جائیں گی۔ سماج کو میٹ کر رکھ دیا جائے گا شفق خون برسائے گی اور زمین وآسمان سرخ ہو جائیں گے اور سرخ آندھیاں چلیں گی۔ پھر اس سرخی کے شعلوں میں ساری بلائیں بھسم ہو جائیں گی۔ آزادی کا قرمزی جھنڈا لہرائے گا۔ مزدور کا راج ہوگا۔''(۱۴)

ایک اور جگہ پر افتخار جو انقلابی لیڈر ہے، بین الاقوامی سیاسی صورتحال پر بحث کرتے ہوئے کہتا ہے:

> ''اور تم دیکھنا آخر میں مزدور کا پھاوڑا ہی جیتے گا اور یہ پھاوڑا اس جھوٹے نظام کو چکنا چور کر دے گا۔ بے گناہوں کا خون ضائع نہیں ہوگا۔ اس سے اگی ہوئی روٹی چبا کر سرخ قوم پیدا ہوگی۔ سکون کا دامن چاک ہو جائے گا۔ ایک ہنگامہ برپا ہوگا۔ سینۂ گیتی شق ہو جائے گا!''(۱۵)

ناول میں جا بجا بین الاقوامی سیاسی بصیرت کے نظریات ملتے ہے جن میں جنگ کے منڈلاتے سائے کی تصویر بھی بہت نمایاں ہے۔ کالج کے اس ترقی پسند گروہ میں زیادہ تر تقدیر کے ستائے ہوئے تھے اور قومی خدمت ان کے لیے پناہ کی حیثیت رکھتی تھی اور سارے لوگ نفسیاتی الجھنوں میں مبتلا اور جنس زدہ تھے۔ شمن کی اس تشکیلی دور کی زندگی میں کئی لوگ آتے ہیں جن کی طرف وہ محبت کی خاطر بڑھتی ہے لیکن اس کے احساس کے آئینے پر سارے کردار خراش چھوڑ کر گم ہو جاتے ہیں۔ لیکن رائے صاحب سے شمن کا اظہار عشق دراصل اس کی نفسیاتی ٹیڑھے پن کی دلیل ہے۔ اس کی عمر پچپن ساٹھ سال کی تھی۔ وہ اس کی دوست پریما کا والد ہے۔ اصل میں شمن اپنے بچپن میں باپ کی شفقت سے محروم رہ گئی ہے جو اس کا پیدائشی حق تھا۔ باپ کا وجود لڑکی کے کردار کی استواری اور اس کے جذبات کے استحکام میں غیر معمولی اہمیت رکھتا ہے۔ رائے صاحب بھی اپنے بچوں نریندرا اور پریما کے دوسرے دوستوں کی طرح شمن سے بھی بہت جلد بے تکلف ہو جاتے ہیں اور اس سے بھی پریما کی طرح پیار کرتے ہیں۔ شمن اتنی محبت اور توجہ پا کر پھولی نہیں سماتی اور رائے صاحب

سے اظہار محبت کر بیٹھتی ہے۔اس کے بعد شرمندہ اور خوف زدہ ہو جاتی ہے۔رائے صاحب کی موت کے بعد شمن تھوڑا سنبھلتی ہے۔زندگی اسے سمجھ میں آنے لگتی ہے۔رفتہ رفتہ وہ سارے لوگ جن سے شمن کے تعلقات تھے چلے جاتے ہیں وہ اپنی تنہائی کو دور کرنے کے لیے کئی بچوں کو گود لیتی ہے لیکن کامیاب نہیں ہو پاتی ۔آخر کار ٹیلر سے شادی کر لیتی ہے لیکن یہ شادی بھی راس نہیں آتی اور ازدواجی زندگی میں تلخیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔جس کا سبب ہندوستان کی غلامی اور پھر سفید رنگ کا نسلی تعصب ہے۔وہ بھی اس کو چھوڑ کر وطن چلا جاتا ہے۔ٹیلر کے بچے کی ماں بننا اس کی زندگی کا عظیم واقعہ معلوم ہوتا ہے۔اب وہ تنہا نہیں بلکہ اس کے دل کی دھڑکنوں میں کسی اور ہستی جو اس کی اپنی تھی ، کی دھڑکنیں شامل ہو چکی تھیں۔

شمن کو اسکول کی ملازمت کے دوران انسانی زندگی کا تلخ تجربہ ہوتا ہے ۔اسکول کا منیجر ایک ناکام وکیل ہے۔اس کی منظور نظر استانی رضیہ بیگم کی بنیادی قابلیت منیجر کو کھٹے میٹھے اچار ڈال کر پیش کرنا تھی۔وہ چپراسی سے اپنے گھر کا کام کرواتا ہے۔چپراسن چونکہ کم تنخواہ پاتی تھیں اسی لیے طالبات کا کھانا چرا کر اور مانگ کر کھانا اپنا حق سمجھتی تھی۔معائنے کے موقع پر فرنیچر مانگ کر اور کتابیں کرائے پر مہیا کی جاتی ہیں۔باہر کی طالبات کو افسران کے سامنے نظم سرائی کرنے اور گلے میں ہار ڈلوانے کے لیے بلایا جاتا تھا۔امتحانات میں آدھا پرچہ استانیاں بورڈ پر خود حل کرتی ہیں۔شمن کی ملازمت کی زندگی سے مصنفہ نے تعلیمی نظام کی خرابیوں اور تعلیمی نظام پر قابض تعلیمی مافیاؤں کو بے نقاب کرنے کی بہترین کوشش کی ہے۔

اس ناول میں جنسی اشارے بھی جا بجا نظر آتے ہیں۔مثلاً، شمن کی انا اور اس کے عاشق کے جنسی اختلاط کا بیان،مولوی صاحب کی مشکوک حرکات،رسول فاطمہ کی ہم جنسی پر مبنی حرکات،سکول کی دیگر لڑکیوں کے حوالے سے ہم جنسی پر مبنی اشارے،اعجاز کی شمن کے ساتھ جنسی لذتیت پر مبنی چھیڑ چھاڑ،ترقی پسند تحریک میں شمولیت کے دوران افتخار اور سیتل کی شمن سے چھیڑ چھاڑ،اور سیتل اور ایلیا کے ناجائزہ بچے کا تذکرہ،افتخار کے دھوکے کے بعد شمن کا کبھی کامریڈ صمد کبھی انجینئر اور کبھی پروفیسر رحمان وغیرہ کے ساتھ انتقاماً تعلقات اور جنسی تسکین پہنچانے کے ساتھ انھیں ذلیل کرنا وغیرہ شامل ہیں۔ناول میں عصمت نے سماج کی ایک قبیح رسم کی طرف بھی قاری کی توجہ مبذول کی ہے یعنی جہیز۔جہیز ایک لازمی جز بن گیا ہے وہ نوری کی شادی کے بارے میں یوں لکھتی ہیں:

> ''نوری جب آئی تو نہایت شرمیلی اور فرمانبردار بن کر آئی۔بڑی آپا بڑی جانفشانی سے جہیز جمع کرنے لگی۔اس نے ایک دم سارے خرچے بند کر کے تنگی میں گزر کرنی شروع کر دی۔نوری بھی پھٹے پرانے کپڑے بڑے شرمیلے فخر کے ساتھ پہن لیتی۔ہر چیز جہیز کیلئے رکھ دی گئی۔ گولڑکا ابھی میٹرک میں پڑھتا تھا۔''(١٦)

ناول میں عصمت نے عورتوں کے خلاف مردوں کے رویہ پر تیکھا طنز کیا ہے۔نوری کو جب انجان مرد کے گلے منڈھ دیا جاتا ہے تو عصمت لکھتی ہیں کہ نوری کے بارے میں شمن یوں سوچتی ہے:

''ارے نوری بالکل گائے بیل کی طرح لگ رہی تھی ۔ کیا ون ہزار میں وہ اپنی جوانی کا سودا کر کے ایک مرد کے ساتھ جارہی تھی ۔آخر فرق ہی کیا ہے۔اس سودے میں اور آئے دن چاوڑی بازار میں خرید اور فروخت ہوتی رہتی ہے''۔(۱۷)

شمن اردو کے قدیم ناولوں کی ہیروئنوں سے قطعی مختلف ہے ۔وہ جدید دور کی عورت ہے جس کے سامنے جدید مسائل ہیں ۔تہذیب وتمدن کی تشکیل میں عورتوں کی بنیادی حیثیت رہی ہے ۔یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ صنف نازک پر صنف قوی نے اکثر ظلم وستم ڈھالے ہیں ۔ڈاکٹر مشتاق احمد وانی اس کے بارے میں یوں لکھتے ہیں:

> ''عصمت چغتائی کا ناول ''ٹیڑھی لکیر'' تانیثی اعتبار سے شاہکار کا درجہ رکھتا ہے۔یہاں یہ کہنا بے محل نہ ہوگا کہ عصمت نے اپنے ناولوں میں اُن تمام معاشرتی برائیوں اور مسائل کو عورت کے حوالے سے پیش کیا ہے جو شروع سے ہی پدرانہ سماجی نظام کے باعث انتہائی بے بس ومجبور مخلوق رہی ہے ۔مرد نے عورت کی جس طرح تذلیل اور اُس کا استحصال کیا ہے عصمت چغتائی نے اُسے بڑے جارحانہ اور بے باکانہ انداز میں اپنے ناولوں اور افسانوں میں پیش کیا ہے ۔وہ عورت کو سماجی بندشوں اور قدغنوں کو توڑنے کا سبق دیتی ہیں۔''(۱۸)

لیکن یہاں شمن نے شروع سے آخر تک معاشرے اور ماحول کی بوسیدہ روایتوں کو توڑا ہے۔اس کی یہ بغاوت گھر سے شروع ہوتی ہے ۔بچپن کی محرومیوں سے ڈرپوک نہیں ہوتی بلکہ ایک طاقت ور باغی بن جاتی ہے۔لاکھ مٹی پر کھیلنے سے منع کیا جاتا ہے لیکن وہ کسی کو سننے کے بجائے کھیل لیتی ہے اور جب اُس کوئی مارتا تو وہ بجائے رونے اور بسورنے کے واقعی چڑیلوں کی طرح آنکھیں نکال کر غراتی ، بلی کی طرح دشمنوں پر جھپٹا مارتی اور جہاں جہاں اس کا ناخن لگتا کھال اتری چلی آتی ۔ملازمت کے دوران مختلف تجربوں سے گزرتی ہے ۔اس کے پاس گہرا سماجی اور سیاسی شعور ہے ۔بین الاقوامی سیاست پر اس کی گہری نظر ہے وہ معاشرے میں موجود ناہمواریوں کے خلاف جدوجہد ہی نہیں کرتی ہے اس لیے معاشرے کے لیے شمن ٹیڑھی لکیر بن کر رہ جاتی ہے کیونکہ وہ اپنے حقوق کے تحفظ اور حصول کے لیے معاشرے سے جنگ کرنا جانتی ہے اور اپنے نظریات کے مطابق زندگی بسر کرنے کی پوری طاقت رکھتی ہے۔عصمت نے ناول میں جن واقعات کو پیش کیا ہے وہ اس کا گہرا مطالعہ اور مشاہدہ رکھتی ہیں اس لیے شمن کے ایک اکیلے کردار میں انھوں نے دنیا جہاں کی خوبیوں اور خامیوں کو سمیٹ دیا ہے ۔وہ شمن کے متعلق خود لکھتی ہیں:

> ”مگر جہاں تک میرے مطالعہ کا تعلق ہے ”ٹیڑھی لکیر“ کی ہیروئن نہ ذہنی بیمار ہے اور نہ ہی جنسی، جیسے ہر زندہ انسان کو گندے ماحول اور آس پاس کی غلاظت سے ہیضہ، طاعون ہو سکتا ہے اسی طرح ایک بالکل تندرست ذہنیت کا مالک بچہ بھی اگر غلط ماحول میں پھنس جائے تو بیمار ہو جاتا ہے اور موت بھی واقع ہو سکتی ہے۔“(۱۹)

مختصر یہ کہ اس ناول میں عصمت نے ایک متوسط گھرانے کی لڑکی کی جذباتی اور نفسیاتی زندگی اور اس کے ماحول کو بڑے فنکارانہ انداز میں پیش کیا ہے۔اس نے جس ماحول میں پرورش پائی اس کے کرب اور محرومیوں سے ہمیں روبرو کراتی نظر آتی ہیں۔اس ناول نے پہلی بار محض ماجرا طرازی کے بجائے کرداروں کے نفسیاتی تجزیے کی روایت کا آغاز کیا اور انسان کی ذہنی کیفیات پر زیادہ سے زیادہ توجہ دی۔یوں یہ ناول اردو ناول نگاری کی تاریخ میں ایک شاہکار کا درجہ رکھتا ہے۔

☆☆☆☆☆

حوالے

(۱) عصمت چغتائی۔ضدی ۔علی گڑھ:ایجوکیشنل بک ہاؤس،۲۰۱۴ء۔ص ۷۵

(۲) ایضاً۔ص ۶۶ (۳) ایضاً۔ص ۸۳

(۴) ایضاً۔ص ۱۴۱ (۵) ایضاً۔ص ۱۱۳۔۱۱۴

(۶) احتشام حسین،سید۔اردو ناول پر مارکسزم کا اثر۔ماہنامہ،نگار مئی ۱۹۴۳ء۔ص ۲۱۰

(۷) عصمت چغتائی۔ٹیڑھی لکیر۔دہلی: کتاب دنیا،۲۰۰۶ء۔ص ۳

(۸) وقار عظیم سید۔داستان سے افسانے تک۔لاہور: الوقار پبلی کیشنز،۲۰۰۲ء۔ص ۱۲۶

(۹) عصمت چغتائی۔ٹیڑھی لکیر۔دہلی: کتاب دنیا،۲۰۰۶ء۔ص پیش لفظ

(۱۰) ایضاً۔ص ۲۰۹ (۱۱) ایضاً۔ص ۳۷

(۱۲) ایضاً۔ص ۳۷ (۱۳) ایضاً۔ص ۹۱

(۱۴) ایضاً۔ص ۲۲۰ (۱۵) ایضاً۔ص ۲۸۷

(۱۶) ایضاً۔ص ۱۷۴ (۱۷) ایضاً۔ص ۲۹۵

(۱۸) مشتاق احمد وانی،ڈاکٹر۔اُردو ادب میں تانیثیت۔دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس۔ص ۴۸۹

(۱۹) انور پاشا۔ترقی پسند اردو ناول۔دہلی: پیش رو پبلی کیشنز،۱۹۰۱ء۔ص ۱۲۴۔۱۲۳

✿✿✿